

## باب 8

## پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں

کئی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تمام انسان برابر ہوتے ہیں اس لیے ان میں فرق کرنا مشکل ہے۔ ہم اس دور میں بس رہے ہیں جب دنیا اپنی جوانی میں قدم رکھ رہی ہے جو نوجوان اپنی ضروریات کے لیے والدین کی طرف دیکھتے ہیں انہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ والدین کے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ لینے والے ہاتھ اور دینے والے ہاتھ برابر نہیں ہوتے۔ اولاد چاہے تعلیم، مال و دولت، رنگ و روپ، قدر و کٹھ اور عزت و شہرت میں ماں باپ سے آگے نکل جائے لیکن یہ طے ہے کہ وہ عمر اور تجربے میں ہمیشہ والدین سے پیچھے ہی رہے گی۔ یہاں چونکہ ہم اس اولاد کا ذکر کر رہے ہیں جو عام طور پر زندگی کے ہر شعبے میں پسماندہ رہ جاتی ہے اور نشہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر ماں باپ پر بوجھ بن جاتی ہے، تو اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ عقل و دانش، قوت فیصلہ اور وسائل میں ماں باپ کے برابر نہیں۔ اگر وہ نشہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو اور اپنی لگا میں والدین کے ہاتھ میں دینے سے انکاری ہو تو والدین کو پورا حق پہنچتا ہے کہ اس وقت تک ایسی اولاد کی سہولتیں روک رکھیں، جب تک وہ سیدھے راستے پر آنے کے لیے آمادہ نہ ہو۔

ٹھنک لو کہ بارہ عقیدوں میں سے چوتھا نظریہ یہ ہے کہ

والدین

اور بچے

برابر نہیں ہوتے!

ایسی اولاد جو نشہ کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے پل پل والدین کے لئے دکھوں کا سامان کرتی ہے، کس طرح اپنے حقوق کی بات کر سکتی ہے؟ وہ تو آپ کے ان احسانوں کا بدلہ بھی نہیں چکا سکتی جو بچپن میں آپ نے ان پر کیے تھے۔ ان بچوں کو تو شاید پتہ بھی نہ ہو کہ جب وہ

راتوں کو بستر گھیرا کیا کرتے تھے تو آپ انہیں خشک جگہ لٹا کر ان کی جگہ سو جایا کرتے تھے۔ انہیں تو اب شاید یہ بھی یاد نہ ہو کہ آپ نے انہیں اپنا خون جگر پلایا تھا۔ آج اگر وہ آپ سے شدید نفرت کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے خود اپنے آپ سے ہی نفرت کرتے ہیں۔

بقول حضرت غالب۔

غیر کیا، خود مجھے نفرت میرے اوقات سے ہے  
چونکہ وہ خود بھی اپنے طور طریقوں کو پسند نہیں کرتے اس لیے وہ اپنے آپ سے رنجیدہ ہی رہتے ہیں۔ ایک رنجیدہ انسان رنج بانٹنے کے علاوہ کبھی کیا سکتا ہے!

نشے کے مریض بچے آپ کو کوئی بے جان چیز تصور کر لیتے ہیں۔ اسی لیے تو وہ آپ کے ساتھ دھونس دھمکی اور دھول دھپا کرتے ہیں۔ وہ اپنی عیش و عشرت کے لیے آپ کے وسائل کو بے دریغ استعمال کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ بے وزن دلیل دیتے ہیں کہ گھر کے ایک فرد ہونے کے ناطے وہ بھی گھر میں والدین کے برابر ہیں اور اپنے لیے آزادانہ فیصلے کر سکتے ہیں۔ اگر انہیں یہ بتانے کی کوشش کی جائے کہ گھر میں رہنے کے طور طریقے کیا ہیں، تو وہ اس موضوع پر بات چیت کرنے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ اگر آپ انہیں پوچھیں کہ کہاں جا رہے ہو، یا رات کو جلدی واپس آنا تو وہ اس "اینٹ" کا جواب اس پتھر سے دیتے ہیں کہ "اگر ڈیڈی پوچھے بنا گھر سے باہر جا سکتے ہیں اور رات گئے واپس آ سکتے ہیں تو ان کی اولاد ایسا کیوں نہیں کر سکتی؟" جب آپ انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور دلائل دیتے ہیں تو وہ آپ کی ایک نہیں سنتے کیونکہ ان کا مقصد سرے سے تبادلہ خیالات ہوتا ہی نہیں بلکہ سراسر من مانی ہوتا ہے۔ پہلے والدین بچوں کو ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا کرتے اور آپ سے باہر ہوتے دیکھ کر کمرے میں جانے کے لیے کہا کرتے تھے، اب بچے کہتے ہیں "ماما! آپ اپنے کمرے میں جاؤ اور مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔" اب گھروں میں انصاف، اعتماد، ایمانداری، کھلا دل و دماغ اور تبادلہ خیالات والدین کی ناتواں حسرتوں کا منہ چڑاتے ہیں۔ اگرچہ والدین نے اپنے اور بچوں کے رویوں کے لئے دوہرے معیارات بنا رکھے ہیں، جو کہ مناسب نہیں، لیکن والدین خود اپنی ذمہ داریاں اٹھاتے ہیں جبکہ نشئی بچے نا صرف مکمل طور پر بوجھ بن جاتے ہیں بلکہ والدین کو نوجوانوں کا کیا دھرا بھی سمیٹنا اور ان کے

رویوں کے نتائج بھگتنا پڑتے ہیں۔

یہ خیال کہ بچوں کے ساتھ ہمیشہ شفقت سے بھرپور رویہ رکھنا چاہیے اس وقت تک بہت خوبصورت لگتا ہے جب جوانی طور پر بچے بھی ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں لیکن شفقت کی ون وے ٹریفک مناسب نظر نہیں آتی، انسانوں کے درمیان کسی چیز کی بھی ون وے ٹریفک اچھے نتائج پیدا نہیں کرتی، ون وے ٹریفک صرف سڑکوں پر ہی بھلی لگتی ہے۔ جب چیخنے چلانے والے بچے آپ کے ساتھ حد سے بڑھ کر کھینچا تانی کرتے ہیں تو محدود جذباتی وسائل کی وجہ سے آپ کی شفقتوں کے چشمے سوکھ جاتے ہیں۔ اس بات کو منوانے کے لئے ہمیں کسی قسم کے دلائل دینے کی ضرورت نہیں، آپ کا حال خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ بچوں کی نافرمانی کے سامنے آپ کتنے تہی دامن ہو جاتے ہیں۔ آپ چیخنے چلانے میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی آپ کو ایسا کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کے لیے آسان راستہ یہ ہے کہ آپ اپنے وسائل کو ان کے رویوں سے مشروط کر دیں۔

اگر بچے سمجھتے ہیں کہ مادی اور جذباتی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے وہ بجا طور پر آپ کی طرف دیکھ سکتے ہیں تو انہیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان کی زندگی کے لیے کچھ اہم فیصلے کرنے کی حق بہر حال والدین کو ہونا چاہیے۔ خاص طور پر نشئی بچے نہیں جانتے کہ ان کے لے کیا اچھا ہے اور کیا بُرا۔ اگر غور کریں تو وہ جان اور مان جائیں گے کہ

والدین

اور بچے

برابر نہیں ہوتے!

یاد رکھیں! کہ جب آپ اپنے بچوں کی بہتری کیلئے کوئی فیصلہ کرتے یا سٹیڈ لیتے ہیں اور ان کے لئے کچھ حدود کا تعین کرتے ہیں تو اس کیلئے آپ کو دلائل دینے یا وضاحتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی بچوں کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے۔ آپ بطور والدین یہ اختیار رکھتے ہیں کہ اپنے بچوں پر ڈسپلن لاگو کریں اور اس عمل میں افہام و تفہیم اور سمجھوتے کی ضرورت نہیں۔

قسمت بھی ان لوگوں پر مہربان ہوتی ہے جو اپنے آپ کو کامیابی کے لئے تیار کرتے ہیں۔ زندگی کے سفر کا مقصد ہے اپنی ذات کو نکھارنا یا سنوارنا، یہ وہ عمل ہے جو کہ آخری سانس تک چلتا رہتا ہے۔ نفسیات کی زبان میں اسے 'تکمیل انسانیت' کہا جاتا ہے۔ آپ اپنی زندگی کے گھمبیر مسائل مثلاً نشہ کے مسئلے یا خود اپنی مایوسی کو تب ہی حل کر پاتے ہیں جب آپ تکمیل انسانیت کی

طرف آتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے بچوں سے زیادہ سیانے ہو جائیں اور یہ بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہے کیونکہ آپ اپنی عمر، تجربے علم و مسائل اور دیگر حوالوں سے اس سے کہیں بہتر پوزیشن میں ہیں۔

نشہ ایک ایسی بیماری ہے جو گھر کے ہر فرد کو متاثر کرتی ہے اور اس سے بحالی میں سب کو اپنا اپنا کردار بخوبی نبھانا ہوتا ہے۔ والدین کا کردار یہ ہے کہ نشے کے مریض بچوں کو اچھا علاج اور جذباتی تحفظ فراہم کریں جبکہ بچوں کا رویہ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ نشے سے نجات کے لیے ہر مدد کو کھلے دل و دماغ سے خوش آمدید کہیں اور علاج کو محض نشہ جاری رکھنے یا جسمانی ری کنڈیشننگ کا ذریعہ نہ بنائیں۔ انہیں اپنی قوت ارادی سے اس جمود کو بھی توڑنا چاہیے جو نشہ ان کی زندگی پر طاری کرتا ہے۔ انہیں اپنے قول و فعل سے ثابت کرنا چاہیے کہ وہ نشہ سے پاک زندگی گزارنے کا پختہ عزم رکھتے ہیں۔ انہیں ایک دفعہ پھر سے نشے سے پاک اور خوش و خرم زندگی کو ضرور آزمانا ہوگا۔ تفصیلی مطالعہ کے بعد پتا چلتا ہے کہ این اے کے پروگرام کا مقصد صرف نشے سے نجات نہیں بلکہ یہ تو نشے کی بیماری کا ایک ایسا حل ہے جس میں نشہ چھوڑ کر مریض نہ صرف دوسرے لوگوں کی طرح خوش و خرم زندگی بسر کر سکتا ہے بلکہ اسے پچھتاوا ہوتا ہے کہ یہ خوبصورت طرز زندگی اپنانے کا موقع سے پہلے ہی کیوں نہ ملا؟ یہ پروگرام ایسا طرز زندگی دیتا ہے جو براہ راست نشے کی بھڑکی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دل کی گہرائیوں میں ہر مریض نشے سے نجات کی تمنا رکھتا ہے لیکن قدم قدم پر نشے کی بھڑکی ہی اسے بار بار نشے کی طرف دھکیلتی ہے کیونکہ اس کا زندگی گزارنے کا ڈھنگ بے چینیوں پیدا کرتا رہتا ہے۔ این اے کا پروگرام نشے کے سامنے اعترافِ شکست، خدا کے سامنے تسلیم و رضا، توکل و یقین، دُعا اور استغراق، عاجزی و انکساری اور معافی و تلافی کی ایسی خوبصورت دُنیا میں لے آتا ہے جس میں مریض کو نشے کی طلب زیادہ پریشان نہیں کرتی۔ یہ روز کے روز جینے کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں کوشش، دُعا اور اچھے ساتھیوں کی مدد سے نشے کی زہریلی بیماری پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ این اے کا پروگرام پچھلی صدی کے وسط میں تین نشہ چھوڑنے والے مریضوں نے تجویز کیا تھا، جسے بعد میں یورپ و امریکہ میں ماہرین اور لاکھوں نشہ چھوڑنے والوں نے اس کی موجودہ جدید شکل دی۔ این اے کا طریقہ قدم بہ قدم نشے سے پاک صالح زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ سرسری نظر سے دیکھیں تو لگتا ہے کہ یہ طرز زندگی تو "بور اور بے مزہ" ہوگا لیکن جو لوگ عملی طور پر اس تجربے سے گزرتے ہیں وہ خوب جان لیتے ہیں کہ یہ لطف و کرم اور کیف و سرور سے بھرپور ایک ایسا انداز زندگی ہے جس کی ہر کوئی تمنا کرتا ہے۔ صداقت کلینک اور ولنگ ویز میں بھی این اے کا طریقہ اپنایا

گیا۔

ہر دن زندگی میں تجربہ سکھاتا ہے چونکہ والدین نے ہمیشہ ہی اس دُنیا میں بچوں سے زیادہ دن گزارے ہوتے ہیں اس لیے ان کا تجربہ ہمیشہ ہی بچوں سے زیادہ رہے گا۔ جب تک بچے اس تجربہ میں والدین کو مات نہیں دیتے تب تک انہیں بہتر مشوروں کے لیے اُمید بھری نظروں سے والدین کی طرف دیکھنا ہوگا۔ گویا انہیں ہمیشہ اُمید بھری نظروں سے والدین کو دیکھنا ہوگا۔ والدین اپنے تجربات کی روشنی میں اولاد کے تحفظ کو مد نظر رکھ کر بہتر فیصلے کرتے ہیں۔ تقریباً ہر گھر میں یہی نظام کارآمد سمجھا جاتا ہے چہ جائیکہ کسی مخصوص گھر میں اولاد علم و فضل کے معاملہ میں والدین سے بہت بڑھ کر ثابت ہو۔ نشے کے مرض میں مبتلا نوجوانوں میں اس بگڑے ہوئے توازن کی وجہ سے اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے لیے بہتر فیصلے کرنے کی صلاحیت کا مظاہرہ کر سکیں۔ عمر، تجربات اور انحصار کے لحاظ سے وہ والدین کے رُتبے کو چیلنج نہیں کر سکتے۔ یہ تاریخی حقیقت بھی ہمیں یاد رکھنی چاہیے کہ ہمیشہ والدین ہی گھرانے کی سربراہی کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہنا چاہے کہ نوجوانوں کو کسی قسم کی آزادی نہیں ہونی چاہیے یا والدین ہر معاملہ میں ان پر اپنی رائے ٹھونس دیں۔ ٹف لوکا تقاضا صرف اتنا ہے کہ والدین اور اولاد دونوں اپنی فہم و فراست کا مظاہرہ کریں اور توازن کی اس لیکر پر چلیں جس کے دونوں طرف فریقین امن و آشتی سے خوش و خرم زندگی گزار سکیں۔ والدین کو حق ہے کہ نشے کے معاملہ میں دخل اندازی کریں لیکن یہ صرف مداخلت برائے اصلاح ہونی چاہیے۔ والدین اور بچوں کے درمیان رشتہ حکومت اور عوام جیسا نہیں ہونا چاہیے، یہ ایک جذباتی رشتہ ہے جس میں جو کچھ کہا سنا جائے اس کی بازگشت عرصہ دراز تک سنائی دیتی ہے۔ یہ صدائیں پیچھا کرتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ والدین اور اولاد برابر نہیں ہوتے تو ہمارا قطعاً یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک انسان یا شہری ہونے کے ناطے ان کے حقوق کم ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ والدین کے زیر سایہ ان کے وسائل پر پلٹتے ہوئے زور زبردستی اولاد کو زیب نہیں دیتی۔ اگر ان کے خیال میں والدین ان کے لیے فیصلے کرنے کے اہل نہیں ہیں تو پہلے انہیں اپنی اہلیت ثابت کرنی چاہیے کہ ایک انسان کی حیثیت سے کیا وہ معاشرہ میں اپنی بقا کی ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں؟ جب کہ والدین نہ صرف ان کے لیے محنت کر کے روزی کماتے ہیں اور ان کی ضروریات پوری کرتے ہیں بلکہ ان کو جذباتی تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں تو کسی بچے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ گھر میں مارشل لاء کی سی فضا قائم کرے اور وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرا کمرہ ہے جو

چاہے کروں۔ ایسے بچے جن کو انحصار ہر لحاظ سے اپنے والدین پر ہو وہ اس بات کو مانیں یا نہ مانیں، والدین کی مدد کے بغیر وہ بکھر کر رہ جائیں گے۔ بچوں کی طرف سے تعاون یہ ہوگا کہ وہ ان حقیقتوں کو تسلیم کریں اور اگر والدین کا کھائیں تو ان کے گن گائیں۔

والدین کا اپنی برتری اور حکومت کو منوانا ایک لازمی پہلو ہے۔ مریض کو شعور آنے اور اس کی عقل سلیم کو بیدار ہونے کیلئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اس دوران والدین کو ہی ہر ذمہ داری اٹھانی ہوتی ہے کہ وہ اس کیلئے اچھے فیصلے کریں اور اس کیلئے انہیں تربیت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ وہی بچہ جو کہ کبھی آپ کا دست نگر تھا اب وہی آپ کے تمام حربوں کو توڑ دیتا ہے۔ بنیادی طور پر وہ ذہنی کھیل کے ذریعے اپنی باتیں بھی منواتا اور آپ سے سارے وعدے پورے کرواتا ہے حتیٰ کہ وہ ایسی باتیں بھی منوالیتا ہے کہ جو بعد از قیاس ہوتی ہیں۔ آپ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ بے انتہا اچھے رویوں کا مظاہرہ کریں تاکہ وہ جوابی طور پر اچھا رویہ اپنائے لیکن نشے کے مریضوں کے ساتھ اس طریقہ کار کو اپنانا محض ناکامی کا نسخہ ہے۔

ایسے والدین جو اپنے بچوں کے دباؤ میں رہتے ہیں وہ اپنے فرض سے کوتاہی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کو بہت مرتبہ دیا ہے اور والدین کو اس کی لاج رکھنی چاہیے۔

نشے کی بیماری کے علاج کا اہم پہلو یہ ہے کہ آپ مریض پر حاوی ہوں اور یہ کام خود والدین کو ہی کرنا ہوتا ہے اور والدین کی تمنا ہوتی ہے کہ یہ کام بھی ڈاکٹر کر لیں۔ بنیادی طور پر یہ ہنر والدین کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ ایک بات یاد رکھیں کہ آپ کے مریض محض مریض ہیں، یہ سچ سچ بڑے نہیں ہیں۔ مریض محض پہرو پیہہ پن کرتے ہیں۔ وہ محض آپ سے دوری چاہتے ہیں تاکہ اپنی نشے کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

یہاں ایک بگڑے ہوئے بچے بلال کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جس کے بارے میں ایک ماہر نفسیات نے اہل خانہ کو یہ ہدایت کی تھی کہ یہ بہت حساس بچہ ہے اس کی مرضی کے خلاف اگر کوئی قدم اٹھایا گیا تو اس کی نفسیاتی صحت تباہ ہو جائے گی۔ بچے نے یہ بات پلے باندھ لی اور اپنی انا کو تمام گھر پر لاگو کر کے پورے گھر میں دندنانا شروع کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ سارا گھر اسی کے اشاروں پر چل رہا تھا۔ ایک غلط مشورے نے یہ صورت حال پیدا کر دی تھی کہ وہ والدین کا احترام نہیں کر رہا تھا بلکہ خود اس کا رتبہ گھر میں دوسروں سے زیادہ نظر آ رہا تھا۔ ایسے حالات کو درست کرنے کے لیے جب ٹف لو کے اصول اپنائے گئے تو اول بلال کے اندر بہت توڑ پھوڑ ہوئی..... آخر اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ اس کا میل جول ایسے لوگوں سے تھا جو عادی نشئی ہیں اور وہی اسے اُلٹی راہ پر ڈالنے

والے تھے۔ چونکہ ابھی وہ نشے کا عادی نہیں ہوا تھا اس لیے جلد ہی راہ راست پر آگیا۔ ایک لفظ حساس نے کئی بچوں کی زندگی کو تباہ کر ڈالا ہے حالانکہ حساس کا مطلب ہوتا ہے صحیح محسوس کرنے والا۔ نشے کا مریض تو کسی بھی بات کا اثر کم یا زیادہ لیتا ہے۔ کسی بات پر خوش ہو تو منہ موتیوں سے بھر دیتا ہے، ناراض ہو تو دیوار میں چنوا دیتا ہے، نشے کا مریض بھی عجیب بادشاہ آدمی ہوتا ہے۔ نشے میں مدہوش کوئی بھی شخص حساس کیسے ہو سکتا ہے؟

آج کل اپنے آپ کو حساس کہنا بھی ایک فیشن بن چکا ہے۔ اس میں کچھ قصور ٹیلی ویژن والوں کا بھی جو کسی نامعلوم وجہ سے اپنے ہر سلسلہ وار کھیل میں ہیر و یا ہیر وئن کو حساس کہلوانا ضروری سمجھتے ہیں۔

حساس تو صرف اسے ہی مانا جاسکتا ہے جو شخص واضح طور پر ثابت کرے کہ وہ زندگی کی تلخ و شیریں حقیقتوں کو بالکل صحیح صحیح ناپنے تو لنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنی خواہشوں کو والدین کے محدود مادی و جذباتی وسائل کے پس منظر میں ہی دیکھتا ہے۔

والدین کے رُتبے اور افادیت کو جاننے کے لیے اولاد کو صحیح معنوں میں حساس ہونے کی ضرورت ہے جو کہ نشے سے نجات کے بعد ہی ممکن ہے۔

برابری ایک سخت موضوع ہے لیکن والدین کی حیثیت سے ہمیں اپنے رُتبے کو اس لیے پہچانا ہے کہ یہ صرف آپ کا نہیں، تمام والدین کا اجتماعی رُتبہ ہے۔ اگر آپ دلائل کے ساتھ اصرار کرتے رہیں گے تو آپ کے نشئی بچے دل سے یہ بات مان لیں گے کہ

والدین

اور بچے

برابر نہیں ہوتے!